© rasailojaraid.com

''اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو اقامت دین اور لوگوں کو ظلمات سے نکال کر روشنی میں لے جانے کے لیے مبعوث فرماتا ہے تو جو شخص اس نور کو پھیلانے میں تگ ودو کرے وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہوتا ہے اور جو کوئی اسے ختم کرنے کی سعی کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملعون قرار پاتا ہے اور اس کی رحمت سے دور ہوجاتا ہے۔''[1]

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ہر قوم کا ایک طریقۂ حیات ہوتا ہے۔ ایک شریعت ہوتی ہے، جس کے پیچھے اس کا ماضی ہوتا ہے، اس کی نصرت وحمایت کو وہ اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے۔ لیکن یہی چیز قوموں اور ملکوں کے درمیان اختلاف اور نزاع کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کی بنیاد پر خون خرابہ ہونے لگتا ہے اور حقیقت پردۂ خفا میں چلی جاتی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ کوئی امام عادل ان اختلافات کو ختم کرکے صحیح راہ دکھائے اور ظلم و زیادتی سے باز رکھے۔ یہی کارنامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انجام پایا۔

آپ کی بعثت کے وقت دو بڑی مملکتیں موجود تھیں: ایک سلطنتِ کسریٰ، جس کا اقتدار عراق، یمن، خراسان اور ان کے اطراف تک پھیلا ہوا تھا۔ ماوراء النہر اور بادشاہانِ ہند بھی اسے خراج ادا کرتے تھے۔

دوسری سلطنت قیصر کی تھی، جو شام، روم اور اس سے ملحقہ علاقوں میں قائم تھی۔ مصر، مغرب اور افریقہ کے بادشاہ اس کے ماتحت اور باج گزار تھے۔ اس طرح ساری دنیا بڑی حد تک ان مملکتوں کے تابع تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کا اقتدار ختم ہوا اور دنیا کو عدل وانصاف پر مبنی نظام ملا۔ اس کے لیے آپ نے اس قوم کو دعوت دی جس میں آپ کی بعثت ہوئی تھی، اس کا تزکیہ کیا، اسے اخلاقی بلندی پر پہنچایا، اسے ایک امت کی شکل دی، پھر اس امت کے ذریعہ قیصر و کسریٰ کے اقتدار کو ختم کیا اور اسلام کا نظامِ عدل نافذ کیا۔ اس میں ان مملکتوں کی مفید اقدار کو باقی بھی رکھا۔ آخر میں فرماتے ہیں:

ونزل الحق الدامغ لباطل جميع الأرض فى دمغ باطل العرب

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ئ: ۱/ ۱۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم و أصحابہ و دمغ باطل ھذین الملکین بالعرب و دمغ سائر البلاد بملتھما و للہ الحجة البالغة۔[۱]

''حق نازل ہوا، جس نے پورے روئے زمین کے باطل کو مٹا دیا۔ عرب کے باطل کا خاتمہ نبی ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کے ذریعے ہوا۔ روم و ایران کے باطل کا خاتمہ اہل عرب کے ہاتھوں ہوا، پھر ان دونوں کے ذریعے دیگر تمام ممالک کے باطل کا خاتمہ ہوا اور غالب رہنے والی حجت صرف اللہ کی ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی بے نظیر کتاب 'ازالۃ الخفائ' میں خلافت کا تصوّر واضح کیا ہے اور اسلامی حکومت کا نقشہ پیش کیا ہے۔

اس کتاب میں انھوں نے ان لوگوں کے خیالات کی تردید کی ہے جو خلافت راشدہ کے تسلسل کو تسلیم نہیں کرتے اور جن کے نزدیک حضرت علیؓ کے علاوہ باقی خلفائ، خاص طور پر شیخین (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ) کی خلافت کا جواز نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے قرآن وحدیث کے دلائل سے خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت فراہم کیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سچے جانشیں تھے اور جس مقصد کے لیے آپ کی بعثت ہوئی تھی اسی کو انھوں نے آگے بڑھایا اور ان کی کوششوں سے اسلام پورے عالم میں پھیلا اور اقتدار قائم ہوا۔

دوسری طرف انھوں نے خلفائے راشدین، خاص طور پر شیخین کے ذریعہ جو عادلانہ نظام سیاست وجود میں آیا اس کی وضاحت کی ہے۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ایک مسلم ریاست کو کس طرح کی ریاست ہونا چاہیے۔ شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے وہ کس طرح نظام عالم چلا سکتی ہے۔

☆☆☆

۱؎ حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۲۲۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مرزا بشیر احمد قادیانی کی کتابِ سیرت کا مطالعہ

ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی

مرزا بشیر احمد قادیانی ہیں اور امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قادیانی اسلام سے خارج ہیں۔ اس کے باوجود سیرت پر انھوں نے جو کتاب لکھی ہے اس میں بہت سی مفید باتیں آگئی ہیں اور بعض اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ اس پہلو سے فاضل مضمون نگار نے اس کتاب کا جائزہ لیا ہے اور مصنف سے کسی مسئلے کی وضاحت میں غلطی ہوئی ہے تو اس کی بھی نشان دہی کر دی ہے۔ (جلال الدین)

بیسویں صدی عیسوی کی اسلامی تاریخ بڑے نشیب و فراز سے گزری ہے۔ سیاسی طور سے یہ مسلمانوں کے زوال کی صدی ہے۔ اس کی پہلی چوتھائی کے آخر (۱۹۲۴ئ) میں خلافت اسلامی کی تنسیخ ہوئی اور دوسری چوتھائی کے آخر (۱۹۴۸ئ) میں فلسطین میں ایک ناجائز یہودی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اس صدی کا پہلا نصف یورپ کی استعماریت اور دوسرا نصف امریکہ کی ترک تازیوں سے عبارت ہے، لیکن یہی وہ صدی ہے جس میں دنیا کے مختلف حصوں میں احیائے اسلام کی بہت سی تحریکیں اٹھیں اور وہ اسلامی لٹریچر تیار ہوا جس نے اہل مغرب کے فکری تسلّط کے تار پود بکھیر دیے۔ اس صدی کے ربع اول کا تاریخ ساز کارنامہ یہ ہے کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر چند ایسی کتابیں تصنیف ہوئیں جنہیں سیرت کے عالمی ادب میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان میں اہم ترین تصنیفات علامہ شبلیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی 'سیرۃ النبی' ا ے، قاضی سلیمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منصور پوریؒ کی ’رحمۃ للعالمین‘ ۲؎ اور مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف قادری داناپوریؒ کی ’اصح السیر‘ ہیں۔ ۳؎ جن کی مختلف جلدیں ۱۹۱۲ء سے ۱۹۳۷ء کے درمیان طبع ہوئیں۔ اسی عرصہ میں ایک قادیانی (مرزا بشیر احمد) کے قلم سے سیرت کی ایک اور کتاب ’سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم‘ کے نام سے منظر عام پر آئی۔ اس وقت اسی کتاب کا مطالعہ مقصود ہے۔

’سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم‘ کا پہلا حصہ ۱۹۲۰ء میں اور دوسرا حصہ ۱۹۳۰ء میں قادیان سے شائع ہوا۔ اس کے تیسرے حصہ کی اشاعت ۱۹۴۹ء میں ربوہ (پاکستان) سے ہوئی ہے۔ لیکن یہ کتاب اب بھی مکمل نہیں ہے، بلکہ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش سے ۷ھ تک کے ہی واقعات ہیں۔ بعد کے واقعات کی ایک فہرست مصنف نے آخر میں درج کردی ہے، تاکہ اس کی بنیاد پر بعد میں وہ خود یا کوئی دوسرا اس کام کی تکمیل کرسکے۔ راقم کو اس کے پہلے حصہ کی اشاعت اول کا ایک سال خوردہ اور قدیم نسخہ مولانا ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صاحب کی توجہ اور عنایت سے حاصل ہوا۔ مطالعہ کرنے پر اندازہ ہوا کہ یہ کتاب اہم ہے اور اس میں ان تمام امور سے بحث کی گئی ہے جن کا تعلق مسلمانوں کے عقائد، ایمانیات اور احکام سے ہے۔ جماعت احمدیہ کے مرکز ممبئی سے پوری کتاب (جو ایک ہی جلد میں ہے) حاصل ہوگئی۔ اس میں صفحہ ۲ کی تصریح کے مطابق یہ کتاب ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۶ء تک تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔ تقابل سے معلوم ہوا کہ یحییٰ نشیط صاحب کے ذریعے موصولہ کتاب کے حصہ اول (مطبوعہ ۱۹۲۰ئ) اور موجودہ مکمل نسخہ کے درمیان کچھ فرق ہے۔ نسخۂ اول میں جلی حروف کی کتابت کے ساتھ صفحات کی تعداد ۲۵۶ ہے جب کہ نسخۂ جدید میں خط خفی میں اس حصہ کے صفحات کی تعداد بھی ۲۵۶ ہے۔ اس فرق کے دو اسباب ہیں: مصنف کی تصریح کے مطابق پہلے حواشی میں حوالے نہیں تھے، جب کہ بعد کی اشاعت میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بعد کے مکمل نسخے کے شروع میں تاریخ اسلام کے ابتدائی مآخذ کے عنوان سے چالیس صفحات کا ایک طویل مقدمہ اور جزیرۃ العرب کا ایک نقشہ ہے۔ اشاعت اول میں یہ مقدمہ ’عرض حال‘ کے عنوان سے صرف چار صفحات پر مشتمل ہے، جس میں مصنف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے تاریخ وسیرت کی ان کتابوں کے نام درج کیے ہیں جن پر انہوں نے اعتماد کیا ہے یا نہیں کیا ہے۔ واقعات کی قبولیت یا عدم قبولیت کے لیے ان کا اعتماد روایتوں کی اسنادی اور درایتی قوت پر ہے۔ انہوں نے جن اولین کتبِ سیر و تاریخ پر اعتماد کیا ہے وہ ہیں: ابن اسحاق، ابن ہشام، طبری اور واقدی (اگرچہ واقدی پر انہوں نے جرح بھی کی ہے)۔ متأخرین میں زرقانی (شرح مواہب اللدنیہ)، ابن اثیر (الکامل نیز اسد الغابۃ) کے علاوہ علامہ شبلی (سیرۃ النبی) بھی ہیں۔ معجم البلدان اور سیرۃ حلبیہ سے بھی انہوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ 'رحمۃ للعالمین' کا ذکر انہوں نے کہیں نہیں کیا۔

یہ فہرست بعد کے اڈیشنوں میں بہت مفصل ہے۔ مصنف نے شعرائے جاہلیت کے کلام اور قرآن کریم سے استفادہ کے اعتراف کے ساتھ قرآن کے مکمل اور محفوظ ہونے پر بحث کی ہے اور اس سلسلے میں مستشرقین کی آراء بھی نقل فرمائی ہیں۔ تاریخ اسلام کے بنیادی مآخذ پر گفتگو کرتے ہوئے وہ روایت کے طریقوں اور روایت و درایت کے اصولوں پر مفصل بحث کرتے ہیں۔ یہ بحث علامہ شبلی کی 'سیرۃ النبیؐ' کے علاوہ مولانا داناپوری کی اصح السیر میں بھی ہے۔ ہوسکتا ہے، مصنف کو اس بحث کی شمولیت کی تحریک وہیں سے ہوئی ہو۔ مرزا بشیر احمد نے قرآن اور حدیث سے درایت کی کچھ مثالیں دی ہیں اور درایت کے بعض کمزور پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلمان محققین کی دیانت داری کو سراہا ہے۔ ان کی یہ بحث سر ولیم میور کے جواب میں ہے۔ اس کے بعد وہ حدیث اور سیرت کی روایتوں کے بنیادی فرق پر گفتگو کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تاریخ و مغازی کے مقابلہ میں حدیث کی حفاظت میں زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔ مصنف نے اصول حدیث کی کتابوں میں 'موضوعات' کو شامل رکھا ہے اور مصطلحات حدیث کی اقسام بیان کی ہیں۔

اسماء الرجال کے فن پر گفتگو کرتے ہوئے مصنف نے اس موضوع کی سات کتابوں کا تعارف کرایا ہے۔ ان میں امام بخاری کی 'تاریخ کبیر'، 'تاریخ صغیر' اور 'تاریخ اوسط' کے نام نہیں ہیں۔ کتب حدیث میں پندرہ کتابوں کے ایک جدول کے ساتھ ہی وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنت اور حدیث کا فرق بتاتے ہیں ۔ واضح رہے کہ سنت اور حدیث کی تعریف میں علمائے اسلام کے کئی گروہ رہے ہیں ۔مشہور ترین گروہ دو ہیں :ایک وہ جو سنت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص اور حدیث کو روایتوں میں محدود قرار دیتا ہے، جب کہ حافظ ابن الصلاحؒ اور ان کے گروہ کے لوگ سنت ، حدیث ،خبر اور اثر میں کوئی فرق نہیں کرتے ۔ مصنف نے احادیث کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن کے بعد اسے ادلّہ اصولیہ میں سمجھتے ہیں اور لیکن صحیحین کا درجہ ان کے نزدیک بھی معتبر ترین ہے ۔

تفاسیر ماثورہ کے ذیل میں انہوں نے تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر اور جلالین کے نام لیے ہیں ۔ سیرت و تاریخ کی ابتدائی کتب میں انہوں نے ایک جدول میں چودہ کتابوں اور ان کے مصنفین کے علاوہ ان کتب کا مختصر تعارف بھی کرایا ہے ۔ چوں کہ یورپی مصنفین نے واقدی کو بہت نوازا ہے، اس لیے مصنف نے اس کی کذب بیانی ثابت کرنے کے لیے سولہ جلیل القدر محدثین کی جرحوں کا ایک جدول بھی تیار کر دیا ہے ۔ پھر سیرت و تاریخ کی چھ کتابوں کے جدول کے ساتھ خلاصۂ بحث میں علی الترتیب قرآن، تفسیر، حدیث اور کتبِ سیرت و تاریخ اور مغازی کو اپنے لیے بطور مصدر و ماخذ کے مخصوص کیا ہے۔ اس مفصل مقدمہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مصنف کے نزدیک بھی مآخذ کے اعتبار سے وہی کتب معتبر ہیں جنھیں جمہور مسلمان معتبر سمجھتے ہیں ۔

سوانح اور سیرت نگاری میں ایک لطیف فرق ہے۔ سوانح نگاری میں واقعات زندگی کے علاوہ سیرت کا بیان جزوی طور سے ہوتا ہے، جب کہ سیرت میں سوانح کے اختصار کے باوجود سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں پر مفصل گفتگو ہوتی ہے۔ لیکن چوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سیرت واخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئی تھی، اس لیے آپؐ کے اخلاق کے جملہ پہلوؤں پر گفتگو ناگزیر ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بقول آپؐ قرآن کریم کا مجسم نمونہ تھے، اس لیے قرآن کریم میں فضائل اخلاق کے جتنے اوصاف بیان ہوئے ہیں، آپ کی سیرت میں ان کا احاطہ کرنا لازم ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۔ تمام سیرت نگاروں نے آپؐ کی سیرتِ حسنہ کا بیان سوانح حیات کے ساتھ اپنے اپنے انداز میں کیا ہے ۔ زیر نظر کتاب میں آپؐ کے اخلاق حسنہ اور اس سے متعلق دیگر تفصیلات واقعات کی ترتیب کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ چوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات کے معاملے میں سیرت نگاروں کے درمیان کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے، اس لیے اس مقالہ میں صرف ان مباحث کا جائزہ لیا گیا ہے جو آپؐ کی سیرتِ گرامی سے متعلق ہیں اور جن پر یا تو سیرت نگاروں کے درمیان جزوی اختلاف ہے یا پھر غیروں نے ان پر اعتراضات کیے ہیں۔

کتاب کا پہلا حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی سے متعلق ہے۔ اس کی ابتدا نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر سے ہوئی ہے، جو عبداللہ کے صلب سے بطنِ آمنہ میں منتقل ہوا تھا۔ یہ روایتیں 'میلاد نامہ' اور 'نور نامہ' جیسی کتابوں سے تعلق رکھتی ہیں اور محدثین کے نزدیک موضوع ہیں ۔مصنف کے نزدیک ان روایات کو قبول کرنے کا سبب غالباً یہ ہے کہ ان کے مسیح موعود مرزا غلام احمد بھی اسی انتقالِ نور کی آخری کڑی ہیں، ورنہ انہوں نے آپؐ کی پیدائش کے وقت قصرِ کسریٰ کے کنگروں کے گرنے اور آتش کدۂ فارس کے بجھ جانے والی روایات کو جرح و قدح سے خالی نہیں بتایا ہے، یہاں تک کہ آپؐ کا مختون پیدا ہونا بھی مصنف کے نزدیک مستبعد نہیں ہے (ص ۷۱) لیکن انھوں نے شق صدر کے واقعہ کو ناقابلِ قبول بتایا ہے۔ (ص ۷۵)۔ یہ حیرت کی بات اس لیے ہے کہ موصوف نے معجزات کا انکار کہیں نہیں کیا ہے۔ اسی طرح بحیرا راہب والی روایت بھی ان کے نزدیک مجروح ہے (ص ۸۲)۔ اس روایت کو دیگر محققین نے بھی قبول نہیں کیا ہے۔ تعمیرِ کعبہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے نصب کرنے کو مصنف نے ایک نکتہ پیدا کر کے زبور میں ذکر کردہ 'کونے کا پتھر' سے تشبیہ دی ہے (ص ۹۵)۔ انھوں نے بخاری کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ کی رائے نقل کی ہے کہ 'آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر خود خلیفہ مقرر کرتے تو پہلے ابوبکرؓ کو کرتے پھر عمرؓ کو'۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ 'خلافت' کوئی مسئلہ نہیں تھا، لوگوں نے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اسے مسئلہ میں تبدیل کر دیا'۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریش کی مخالفت کے مصنف نے سات اسباب بتائے ہیں، جو یہ ہیں: (۱) ان کی بت پرستی (۲) رسوم پرستی (۳) عادات و اخلاق کی مغایرت (۴) تقلید آباء (۵) تکبر (۶) اکابرین کا صاحبِ مال ہونا (۷) تولیت کعبہ کے چھن جانے کا اندیشہ۔

مصنف نے بہت سے ائمۃ الکفر کے نام خصوصیت سے گنائے ہیں۔ آل یاسر کی بے طرح آزمائشوں کے ساتھ ہی دیگر غلاموں نیز آزاد خاندان کے نوجوانوں پر قریش کے مظالم کے ذکر سے دعوت دین کی مخالفت میں شدت کا اظہار ہوتا ہے (ص ۱۳۸ تا ۱۴۵)۔ واضح رہے کہ ہجرت حبشہ کے باب میں مصنف نے **تلک الغرانیق العلی** والی روایت کو غلط ثابت کیا ہے (طبع قدیم میں یہ قصہ حاشیہ میں ہے [ص ۱۵۹، ۱۶۰] لیکن طبع جدید میں اسے متن کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے)۔ واضح رہے کہ اس روایت کی صحت کو کسی بھی محدث نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ شعب ابی طالب سے رہائی کے بعد مصنف نے شق القمر کے معجزہ کو قرآن اور احادیث سے مبرہن کرنے کے باوجود اسے حقیقت کے بجائے نظر بندی کے مماثل ٹھہرایا ہے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ سے نکاح کے ذیل میں دو مباحث ہیں: ایک کثرتِ ازدواج اور دوسرے طلاق۔ مصنف نے ان دونوں مسائل پر بہت تفصیل سے کلام کیا ہے اور سر سیدؒ کی طرح معاندینِ اسلام کے اعتراضات کے شافی جوابات دیے ہیں (ص ۱۹۳، ۱۹۴)۔ اسی سیاق میں انھوں نے ایک حدیث نقل کی ہے: ''**النکاح من سنتی، فمن رغب عن سنتی فلیس منی**''۔ واضح رہے کہ یہ دو احادیث کے ٹکڑے ہیں، جنہیں بالعموم خطبۂ نکاح میں ضم کر کے پڑھ دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی عمر کے مسئلہ میں بھی انہوں نے قدرے تفصیل سے کلام کیا ہے (یہ بحث مع تعدد ازدواج جلد اول میں صفحہ ۱۷۵ سے ۱۸۰ تک اور جلد دوم میں صفحہ ۴۲۲ سے ۴۳۲ تک پھیلی ہوئی ہے)۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ رخصتی کے وقت حضرت صدیقہؓ کی عمر دس سال تھی۔ اگر بالفرض یہ عمر نو سال بھی ہو تو ان کے نزدیک اس سے کوئی قباحت لازم نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتی اور مستشرقین کے لیے اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ 'سیرت عائشہ' میں مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی یہی دلیل دی ہے۔

طائف سے واپسی کے سفر میں مصنف نے جنوں کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرسیدؒ کے برخلاف قادیانی جنوں کے وجود کے قائل ہیں۔ لیکن انھوں نے بعض احادیث اور سیرت کی کتابوں کے حوالہ سے اسراء اور معراج کو ایک دوسرے سے الگ ثابت کیا ہے اور اسے بجائے جسمانی کے روحانی سفر بتایا ہے، حالاں کہ منکرینِ حدیث کے علاوہ مسلمانوں کے تمام فرقے معراج کو جسمانی مانتے ہیں اور مرزا صاحب ہی کے پیش کیے گئے مصادر کی بنیاد پر وہ بالکل متضاد استدلال کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا سوادِ اعظم حضرت عائشہؓ کی حدیثِ معراج کو ان کا مغالطہ قرار دیتا ہے۔ مرزا صاحب کائنات پر تصرفِ الٰہی کے قائل ہونے کے باوجود حقائق کی بنیاد پر اسراء اور معراج کو جسمانی ماننے پر تیار نہیں ہیں۔ ان کے دلائل سے ان دونوں اسفار کا الگ الگ ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ (کتاب کے طبع جدید میں یہ بحث صفحہ ۱۸۹ سے ۲۰۸ تک پھیلی ہوئی ہے) اس بحث میں مصنف نے پہلی اور آخری بار سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۴۱ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (لوگو! محمدؐ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) سے اپنا مدعا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''یعنی محمدؐ صرف رسول ہی نہیں، بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں'، جن کی مہرِ تصدیق سے انسان کو ہر طرح کے اعلیٰ ترین روحانی انعامات مل سکتے ہیں اور کوئی روحانی مرتبہ آپؐ کے اتباع کی رسائی سے باہر نہیں ہے۔'' (ص: ۲۰۳)۔

اس طرح وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی رسالت کو رسالتِ محمدیؐ کی مہر سے مصدّق ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مہدی اور مسیح موعود کا دعویٰ کرتے ہوئے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ظلّی اور بروزی نبی ہونے کا دعویٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی کیا ہے۔

واقعۂ معراج سے متصل مصنف نے نماز کی فرضیت اورزکوٰۃ ونماز کی مصلحتوں پر گفتگو فرمائی ہے اور مستشرقین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔ اس کے بعد وہ سلطنت ہائے روم و فارس کی باہمی جنگ اوراس کے تعلق سے آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشین گوئی کو پیش کرتے ہیں، جس کا ذکر سورۂ روم کی ابتدائی آیتوں میں ہے۔ ہجرت کے ذیل میں مصنف نے قریش کی مشاورتی میٹنگ میں شیخ نجدی نامی ایک شخص کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل انہوں نے نہیں دی، لیکن صاحب 'الرحیق المختوم' مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ نے بتلایا ہے کہ شیخ نجدی کے بھیس میں خودشیطان مشورہ دینے کے لیے آیا تھا۔

جلد اول کے اختتام پر مصنف نے چند اور مباحث کا اضافہ کیا ہے، جیسے مدتِ قیام مکہ اور سنینِ نبوی وہجری، جس کی ابتدا بالترتیب عام الفیل اور ہجرت نبویؐ سے ہوتی ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے اس بحث میں مفید معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ مرزا صاحب نے تفصیل کے ساتھ نزول وحی کی حقیقت، جمع قرآن، ترتیب نزولی، ترتیب تلاوت اور مکی و مدنی سورتوں کے فرق کی طرف اشارے کیے ہیں۔ یہ تمام باتیں مسلمانوں کے تمام فرقوں کے درمیان متفق علیہ ہیں۔ نزول وحی کی حقیقت کے ذیل میں نبوت کے ارتقاء پر بھی گفتگو کی گئی ہے، جس کی ابتدا رویائے صادقہ سے ہوتی ہے۔ چوں کہ تبلیغ میں تدریج بھی مقصود ہوتی ہے، اس لیے مکی زندگی میں صرف عقائد اور عبادات سے تعرض کیا گیا ہے۔

جلد اول کی ابتدا ایک 'مقدس یادگار' سے ہوئی ہے، جو بعینہٖ درج ذیل ہے:

> ''حضرت اقدس حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدی معہود جری اللہ فی حلل الأنبیاء علیہ وعلیٰ مطاعہ محمد الصلوٰۃ والسلام، جن کی بعثت کے ذریعہ اس زمانہ میں اللہ کے حکم سے دوبارہ جمالِ محمدی کا ظہور ہوا، از طرف: احقر الخدام خاکسار مرزا بشیر احمد، قادیان، مورخہ ۱۴؍شوال ۱۳۳۸ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۲۰ء''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جلد دوم میں عرض حال کے تحت مصنف نے جن لوگوں کا شکریہ ادا کیا ہے ان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہٖ العزیز شامل ہیں، جنہوں نے مصنف کے مطابق ''کمال مہربانی سے اپنا نہایت قیمتی وقت خرچ کر کے حصہ دوم کے مسودہ کا بیش تر حصہ ملاحظہ فرمایا اور وقتاً فوقتاً اپنے بیش قیمت ارشادات سے مستفیض ہونے کا موقعہ عطا کیا''۔

اس جلد (دوم) کی ابتدا میں مدینہ کے جغرافیائی حالات اور آبادی (مسلمان، یہود اور عام منافقین وغیرہ) کا تذکرہ ہے۔ مدینہ ہی میں اذان کی ابتدا ہوئی اور نماز کی چار رکعتیں فرض ہوئیں۔ سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۱ کے ذریعہ جہاد کی اجازت مسلمانوں کو مدینہ ہی میں دی گئی۔ اس جگہ مصنف نے جہاد کے مسئلہ پر بہت تفصیلی بحث کی ہے، جو کتاب کے صفحہ ۲۸۷ سے ۳۱۳ تک پھیلی ہوئی ہے۔ جہاد اور آداب جہاد پر بحث کو انھوں نے پچاس نکات میں سمیٹا ہے اور احتیاط کی چار مزید تدبیریں بھی بتلائی ہیں۔ یہ بحث کتاب کے صفحہ ۳۱۵ سے ۳۲۳ تک ممتد ہے۔ چوں کہ مرزا غلام احمد اس سے قبل جہاد کو منسوخ قرار دے چکے تھے، اس لیے مصنف نے حسبِ توقع جہاد کو صرف دفاعی تدبیر قرار دیا ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے بھی تمام غزوات وسرایا کو دفاعی ثابت کیا ہے۔ دراصل اقدامی جہاد کا جو اسلامی اصول ہے وہ احتیاطی (pre-emptive) ہونے کی وجہ سے دفاعی ہی کہلاتا ہے۔ جنگِ بدر میں شرکت کے لیے جو لشکر مدینہ سے نکلا تھا اس کے مقصد کے سلسلہ میں محققین کے درمیان اختلاف ہے۔ علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ لشکر کا اصل مقصد کفار قریش سے مقابلہ کرنا تھا، لیکن مصنف نے قرآنی آیات سے متفرّع سات دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسلامی لشکر دراصل قافلہ کا راستہ روکنے کے لیے نکلا تھا، لیکن چوں کہ ابوسفیان کترا کر قافلہ کو نکال لے گیا تھا، اس لیے مجبوراً اس کو مشرکین مکہ سے جنگ کرنی پڑی۔ اس سلسلہ میں سورۂ انفال کی آیات ۶ تا ۸ دلیل قاطع ہیں۔ جہاد پر اعتراضات کے بارے میں مصنف رقم طراز ہیں:

''اوپر کی بحث میں ہم نے عام طور پر صرف دفاع اور خود حفاظتی کا ذکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کی ابتداز یادہ تر اسی غرض کے ماتحت ہوئی تھی، جیسا کہ قرآنی آیات سے ظاہر ہے اور باقی اغراض بعد میں آہستہ آہستہ حالات کے ماتحت پیدا ہوتی گئیں‘‘ (ص: ۳۱۵)۔

جنگوں ہی کی وجہ سے ماضی میں غلامی کا مسئلہ پیدا ہوتا رہا تھا، اس لیے مصنف نے غلامی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے اور بجا طور سے ثابت کیا ہے کہ اسلام نے غلاموں کی حالت بہتر بنانے کے علاوہ انہیں آزاد کرنے اور مستقبل میں اس ظلم کو ختم کرنے کے لیے قوانین بنائے ۔آئندہ غلامی کو روکنے کے لیے آں حضرت ﷺ نے جو تعلیم دی اس میں مثبت اور منفی دونوں دلائل پائے جاتے ہیں (ص۴۰۶) ۔اسی ذیل میں لونڈیوں سے نکاح کے بعد یا بدون نکاح تمتّع کرنے کے سلسلے میں ان کا رجحان بدون نکاح کی طرف ہے، لیکن وہ نازک مسائل پر فیصلہ دینے کے بعد واللہ اعلم کا فقرہ استعمال کرتے ہیں۔ بہرحال یہ موضوع چوں کہ معاندین اسلام کی طرف سے اکثر طعنہ کا موجب رہا ہے، اس لیے مصنف نے اس پر بہت تفصیل سے بحث کرتے ہوئے قوانینِ اسلامی کا دفاع کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی رخصتی، ان کی عمر اور تعدد ازدواج کے ذیل میں مصنف نے اسی گفتگو کا اعادہ کیا ہے جو وہ کتاب کی جلد اول میں کر چکے ہیں۔عصماء اور ابوعفک کے قتل کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ یہ روایتیں درست نہیں ہیں، لیکن اگر درست ہوں تو بھی قانوناً واجب القتل ہونے کی وجہ سے ان کا قتل قابل اعتراض نہیں (ص۴۵۱) ۔جنگ احد کے بعد مردم شماری ہوئی، اس میں مسلمانوں کی تعداد پندرہ سو تھی ۔مردم شماری کا ذکر تقریباً تمام ہی سیرت نگاروں نے کیا ہے۔

غزوۂ بنونضیر کے اسباب کے بارے میں سیرت کی روایتوں میں اختلاف ہے۔سورۂ حشر کی آیت نمبر ۵ میں آیا ہے کہ ’کھجور (لینة) کے درخت جو تم (رسولؐ) نے کٹوائے یا چھوڑ دیے، یہ اذن الٰہی کے مطابق تھا‘ ۔اس آیت میں لفظ ’لینة‘ کی تحقیق کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ ادنیٰ قسم کی کھجور کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصنف نے وَرَتِّلْہُ تَرْتِیلًا (المزمّل: ۴) کی تشریح میں یہ انوکھا نکتہ پیدا کیا ہے کہ قرآن جتنے دنوں میں نازل ہوا، اگر اس کا تناسب نزول یومی کے حساب سے نکالا جائے تو ایک دن میں ۰ئ۷ آیت کا اوسط نکلتا ہے۔ یہ ترتیب نزولی کے بارے میں وہ نکتہ ہے جو کسی سیرت نگار کو نہیں سوجھا۔ ترتیب تلاوت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> ''اس کی ترتیب عام کتاب کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس جسمانی عالم کے اصول پر ہے جس میں معانی کی بے شمار گہرائیاں مخفی ہیں اور ان گہرائیوں میں ربط واتحاد کی لاتعداد زنجیریں ایک جال کے طور پر پھیلی ہوتی ہیں'' (ص: ۵۳۸)۔

مصنف نے یہودیوں پر توریت کے قانون کے مطابق زنا کی سزا نافذ کرنے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو 'بین الاقوامی قاضی' کا خطاب دیا ہے (ص ۵۳۹)۔ حضرت زیدؓ کے حضرت زینب بنت جحشؓ کو طلاق دینے کے اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے بعض ان روایات کی تردید کی ہے جو مستشرقین کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر طعن کا سبب بنی ہیں (ص ۵۴۹)۔ چوں کہ پردہ کے جزوی احکام اسی موقع پر نازل ہوئے تھے اس لیے مرزا صاحب نے اسلامی احکامِ حجاب کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> '' اسلامی تعلیم کی رو سے عورت اپنی زینت کے بر ملا اظہار سے رکتے ہوئے تمام قسم کی جائز تفریحات اور جائز کاموں میں حصہ لے سکتی ہے اور اسے بالکل کھلے منہ پھرنے اور غیر محرم مردوں کے ساتھ خلوت میں اکیلے ملاقات کی اجازت نہیں ہے، کیوں کہ یہ طریق اپنے اندر فتنے کے احتمالات رکھتا ہے، جس کا سدِ باب ضروری ہے (ص ۵۴۸) ۔۔۔۔۔۔
>
> علاوہ ازیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عورت کے کام کی اصل جگہ گھر ہے، جہاں اس کے ہاتھوں میں قوم کے نونہال پلتے ہیں (ص:۵۴۹)''۔

مصنف کے یہاں چہرے کے پردے کے بارے میں صراحت نہیں ہے۔ فحوائے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ چہرے کے پردے کے قائل نہیں ہیں۔ اسی ضمن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں انھوں نے مارگولیوتھ کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (معاذاللہ) حسب موقع اپنے مطلب کی وحی اتار لیا کرتے تھے (ص ۵۵۵۔۵۵۶) مصنف نے غزوۂ بنی المصطلق کے سلسلے میں مختلف روایات کے درمیان تطبیق کا پہلو اختیار کیا ہے (ص ۵۵۷)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جویریہؓ بنت حارث کا فدیہ ادا کر کے ان سے نکاح کرلیا تھا۔ مصنف نے بتایا ہے کہ ان کا اصل نام برّہ تھا، جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدل کو جویریہ رکھا تو اس میں کیا حکمت تھی۔

غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہ کرامؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیٹوں پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھے ہوئے تھے۔ پتھر کو عربی زبان میں حَجَر کہا جاتا ہے۔ مصنف نے 'مجمع البحار' کے حوالہ سے بتایا ہے کہ 'الحجر' کے ایک معنی 'کمر میں باندھے جانے والے پٹکہ' کے بھی ہوتے ہیں۔ آخر میں واللہ اعلم لکھ دیا ہے۔ اسی زمانے میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کے گھر دعوتِ طعام میں تکثیر خوان کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے ایک بار پھر معجزات کی صحت، حجّیت اور اس کی دس شرائط پر گفتگو کی ہے' (ص ۵۷۹ تا ۵۸۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذؓ کی تشریف آوری پر لوگوں سے فرمایا: قوموا الیٰ سیدکم، جس کا ترجمہ ہوتا ہے 'اپنے رئیس کے لیے اٹھو'۔ مصنف نے اس ترجمہ میں اپنی طرف سے یہ اضافہ کر دیا ہے 'اور سواری سے اترنے میں انہیں مدد دو'۔ یہ ترجمہ نہیں ہے، لیکن مقصدِ قیام کی وضاحت ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آمد پر بھی لوگوں کو تعظیماً کھڑا ہونے سے منع کیا تھا۔ اسی طرح مصنف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحسینی الفاظ لَقَدْ حَکَمْتَ بِحُکْمِ اللّٰہِ کی بھی توضیح کی ہے (ص ۶۰۱)۔ بنو قریظہ کے قتل کا دفاع کرتے ہوئے مصنف نے بتایا ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ کا یہ فیصلہ بحوالہ بائبل (استثنا: ۲۰: ۱۰ تا ۱۵) توریت کے قانون کے مطابق تھا (ص: ۶۱۲)۔ ریحانہ کے واقعہ سے متعلق سر ولیم میور کی ہرزہ سرائی کا مصنف نے جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ یا تو آپؐ نے انھیں چھوڑ دیا تھا یا ان سے شادی کرلی تھی۔ جنت کی نعمتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بیان کو مصنف حقیقت کے بجائے استعارہ سمجھتے ہیں (ص ۶۱۵)۔

اس کے بعد مصنف نے تفصیل کے ساتھ اسلام کے قانونِ نکاح وطلاق کو بیان کیا ہے، جو کتاب کے صفحہ ۶۱۷ سے ۶۲۹ تک پھیلا ہوا ہے۔ مرزا صاحب نے مدنی زندگی کے پہلے دور کے خاتمہ کو اسلامی نظامِ حکومت کے قیام پر منتج کرتے ہوئے اسے عطیۂ خداوندی قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''پانچ سال کے قلیل عرصہ میں اسلامی حکومت کا قائم ہوجانا مادّی علوم سے تعلق نہیں رکھتا۔ اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو روحانی تصرفات کا علم رکھتا ہو (ص ۶۳۱)۔

اس موضوع پر اصولی ہدایات کے تحت انہوں نے دو باتیں اور بیان کی ہیں: ایک یہ کہ حکومت کا اصل حق صرف جمہور کو حاصل ہے، لیکن اس سلسلہ میں وہ یہ وضاحت کرتے ہیں کہ حکومت ایک امانت ہے جو اہل لوگوں کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔ ظاہری طور پر ان کے فیصلے اور وضاحت میں مطابقت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ حکومت کے لیے مشورہ ضروری ہے۔ ان دونوں شرائط سے جو بات ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی جمہوریت کی شکل وہ نہیں ہے جو آج کی دنیا میں رائج ہے۔ انہوں نے بنو امیہ کی خلافت کو صحیح قرار نہ دیتے ہوئے جانشین مقرر کرنے کی شرائط بیان کی ہیں۔ الائمۃ من قریش والی حدیث کو وہ حکم نہیں، بلکہ خبر بتاتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ مسئلہ بھی مسلمان علماء کے درمیان متفق علیہ نہیں ہے۔ کتاب کے اس حصہ میں مصنف نے غیر مسلموں سے تعلقات، مذہبی رواداری اور عدل و انصاف کے علاوہ جزیہ کے مسئلہ پر بھی گفتگو کی ہے۔

کتاب کی جلد سوم کی ابتدا صلح حدیبیہ کے زمانے سے ہوتی ہے۔ مصنف نے مومن اور کافر کے درمیان رشتۂ نکاح کو ناجائز بتاتے ہوئے اہل کتاب سے شادی کرنے کو استثنائی اجازت سے تعبیر کیا ہے (ص ۶۷۲ تا ۶۷۴)۔ حضرت عمرؓ نے مختلف مصالح کے تحت حکماً ایسے نکاح کی ممانعت کردی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد مصنف نے اسلام کے نظریۂ مساوات پر ایک مفصل نوٹ لکھا ہے، جو صفحہ ۶۸۴ سے ۷۱۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں حفظِ مراتب، عدالت، تقسیمِ مناصب، برادرانہ اختلاط، خادم و آقا کے تعلقات، بیاہ شادی، عورتوں کے حقوق میں مساوات، دولت کی تقسیم کا نظریہ، وراثت، زکوٰۃ، قانون تجارت اور اقتصادی مساوات جیسے مسائل زیر گفتگو آئے ہیں۔ مصنف کا خیال ہے کہ اشترا کی ممالک میں مساوات نہیں پائی جاتی۔ یہ صرف اسلام ہے، جہاں عدل و توسط ہے۔ انھوں نے ابن ہشام کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک حدیث نقل کی، جس میں پانچ برائیوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔ یہ قوموں کے عروج و زوال سے متعلق ایک بے مثل حدیث ہے۔ مصنف نے بتایا ہے کہ ام قرفہ کے قتل کا واقعہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورتوں کے تعلق سے جو ہدایات دی ہیں، یہ ان کے خلاف ہے۔ مشہور روایت کے مطابق اس بڑھیا کی دونوں ٹانگوں کو دو الگ الگ اونٹوں سے باندھ کر مخالف سمت میں دوڑا دیا گیا تھا (ص ۷۱۷، ۷۱۸)۔

مدینہ میں قحط کے ذیل میں مصنف نے لکھا ہے کہ دعا اور معجزات ایک ہی قبیل سے ہیں۔ دعا کامیابی کا روحانی ذریعہ ہے۔ اللہ دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔ دعا کے متعلق اسلامی تعلیمات کا خلاصہ انھوں نے دس نکات میں بیان کیا ہے۔ یہ گفتگو بھی طویل ہے اور دس صفحات (۷۲۸ تا ۷۳۸) پر محیط ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ''تکثیر الماء'' کا معجزہ پیش آیا تھا۔ مصنف نے یہاں معجزات پر پھر ایک نوٹ دیا ہے۔ اسی موقعہ پر آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُمّی ہونے کے مسئلہ پر انھوں نے صفحہ ۷۶۵ پر حاشیہ میں ایک طویل نوٹ دیا ہے، جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگرچہ امّی تھے، لیکن مختلف والیان ریاست سے مراسلت کی وجہ سے آپؐ کو کچھ کچھ حرف شناسی ہوگئی تھی۔ اسی لیے حدیبیہ کے صلح نامہ پر آپؐ نے خود 'محمد رسول اللہ' کاٹ کر 'محمد بن عبد اللہ' لکھ دیا تھا۔ اس دلیل میں کچھ استبعاد بھی نہیں معلوم ہوتا۔ اسی سے متصل ابوبصیر کا واقعہ ہے کہ وہ معاہدۂ صلح کی ایک مخصوص دفعہ کی وجہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب مدینہ میں نہ رک سکے تو بھاگ کر سمندر کی طرف چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے تعرّض نہیں کیا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط سے عورتوں کا استثناء اور ابو بصیر و ابو جندل وغیرہ کی اپنی راہ نکالنے سے مصنف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ 'اسلامی سیاست اسلام کے دینی نظام سے علیٰحدہ بھی ہو سکتی ہے' (ص ۷۸۵) یہ صحیح نہیں ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف حکم رانوں کے علاوہ مصر کے فرماں روا کے پاس بھی دعوتی خط بھیجا تھا۔ اس مکتوب میں بعض ایسی تفاصیل ہیں جو سیرت کی دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔ مصنف نے اکثر حکم رانوں کے نام دعوتی خطوط کا متن بھی دیا ہے اور مقوقس کے خط کا عکس بھی شاملِ کتاب ہے[۴]۔

مصنف نے ایک نکتہ کی بات یہ لکھی ہے کہ مسلمانوں نے تمام ممالک فتح کیے، لیکن حبشہ پر فوج کشی نہیں کی (ص ۸۲۸)۔ انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ نجاشی دو تھے۔ دوسرے نجاشی نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ انھوں نے بیہقی کی روایت **رجعنا من الجهاد الأصغر الى الجهاد الأكبر** کو بڑی اہمیت کے ساتھ پیش کیا ہے، حالاں کہ یہ روایت محدثین کے نزدیک علّت سے خالی نہیں ہے۔ مصنف نے اس بات کی تکرار بھی کی ہے کہ جنت میں روحیں جائیں گی اور وہاں کی جنسی رفاقت روحانی ہوگی نہ کہ جسمانی (ص ۸۳۲)۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے شراب، جوا اور شطرنج وغیرہ کی حرمت کے مصالح بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ شراب کی حرمت ۳ھ کے آخر یا ۴ھ کے اوائل میں نازل ہوئی تھی (ص ۸۳۲، ۸۳۳)۔ یہیں پر تیسری جلد کے جز واول کا اختتام ہوتا ہے۔

مصنف اپنی کتابِ سیرت کی تکمیل نہیں کر سکے۔ انہیں یہ کتاب تین جلدوں میں تمام کرنی تھی، لیکن وہ تیسری جلد کا جز واول ہی تک لکھ پائے۔ جز وثانی کے مجوزہ مضامین کا ایک خاکہ انھوں نے جدول کی شکل میں دے دیا ہے، جو دس صفحات پر محیط ہے۔ یہ جدول اس بات کا اشارہ ہے کہ کتاب کی تکمیل کرنے والے کے لیے انہی خطوط پر کام کرنا مناسب رہے گا۔ آئندہ سطور میں ایک نظر اس جدول پر بھی ڈال لینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مناسب ہوگا:

☆ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سحر کا مزعومہ واقعہ اور اس کی حقیقت۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ان روایتوں کو صحیح نہیں سمجھتے جو اس سلسلہ میں صحاح وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اہل سنت میں مولانا شمس پیرزادہؒ سحر کے مطلقاً قائل نہیں تھے۔

☆ ہجری سنین ۷ و ۸ میں واقعات کی ترتیب۔ کچھ فقہی مسائل کی تشریح، جیسے پالتو گدھے اور درندوں کا گوشت، جس کے کھانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا تھا ۔متعہ، استبرائے رحم، بیع، مال غنیمت وغیرہ۔ فدک کے نازک مسئلہ کی تشریح، جو حضرت فاطمہؓ کی ناراضی کا سبب بنا تھا۔

☆ غیر مسلموں کے ارض مقدس میں قیام کے بارے میں اسلامی حکم اور ضمناً ارضِ حرم سے متعلق احکام۔

☆ عام الوفود، قصیدۂ بردہ، غامدیہ کا رجم (کیا رجم اسلامی سزا ہے؟)۔ نجاشی کی نماز جنازہ (جنازہ سے متعلق اصولی نوٹ)۔ حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں حج۔

☆ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پر نوٹ کہ عورت کو بادشاہ بنانے والی قوم کامیاب نہیں ہوگی۔

☆ ۱۰ھ۔ حجۃ الوداع۔ سود کی حرمت۔ آیت **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ** (المائدۃ: ۳) کا نزول۔ ۱۱ھ وفد نخع از یمن (یہ آخری وفد تھا)۔ سریۂ اسامہ بن زیدؓ۔ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کا ظہور۔

☆ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض الموت۔ مرض کیا تھا؟ (اس موضوع پر کسی سیرت نگار نے کلام نہیں کیا ہے)۔ کتنے دنوں تک علاج کیا گیا؟

☆ واقعۂ قرطاس کی تشریح، امارت کے لیے حضرت ابوبکرؓ کا تقرر۔ آپؐ کا حضرت عائشہؓ سے فرمانا کہ 'ارادہ ہوا کہ ابوبکر کے لیے خلافت کی وصیت لکھ دوں'۔

☆ آخری کلام۔ وصالِ اکبر۔ (وصال کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف بھی ابن العربی کے فلسفۂ وحدۃ الوجود کے قائل تھے)۔

٭٭٭

© rasailojaraid.com